

تائز س

صوفی لکھا

قسط نمبر: ۷

دہائی کیسے لمحوں میں گزرتی ہے اس سے بہتر کون جان سکتا تھا۔ آج وہ اس کتاب کو کھولنے آیا تھا۔ اور اس کتاب کے کھلتے ہی اسے یوں لگا جیسے وہ زماں و مکاں کی قید سے آزاد ہو گیا ہو۔ اسے لگا آج اس نے یہ چوکھٹ پارنا کی تو۔۔۔۔۔ تو شاید وہ یہاں سے واپس بھی نہیں جاپائے گا۔ گلی میں قطار سے بنے گھروں کی بیرونی دیواروں پر سے لٹکتی خوبانی اور آخروٹ کی پھولوں سے لدی ٹہنیاں، گلی کی پرسکون خاموشی اور وہ لکڑی کا دروازہ۔۔۔ ہر چیز کی طلسم آج بھی ویسے ہی قائم تھا۔ اس نے دروازے کے پٹ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور وہ چرررر۔ کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ کتاب کھل چکی تھی۔ صفحہ بھی وہی تھا، مناظر بھی وہی تھے۔ پر آج۔۔ آج اسے اس صفحے کو پلٹنا تھا، تاکہ اس کچے صحن میں تھما وقت آگے بڑھ سکے۔

ابھی وہ دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہی ہوا تھا کہ سامنے ڈی کوادھر ادھر ٹہلتے دیکھا۔ "خیریت ڈی آج آپ کام پر نہیں گئے۔" بھلے ہی دن میں ان کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تھی لیکن وہ اپنے انداز پر واپس آچکا تھا۔

"برہان بھائی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے انکی حالت بہت سیرئس ہے ہمیں ابھی پاکستان جانا ہو گا۔"

وہ جو ابا خاموشی سے کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکا تا اندر چلا گیا۔ ڈی اسکے پیچھے پیچھے اندر آئے۔

"میں ابھی ہم دونوں کی ٹکٹ کر رہا ہوں۔" وہ بتا رہے تھے۔

"ابھی آپکو کوئی سیٹ نہیں ملے گی کل ٹرائے کیجئے گا۔"

وہ لا پرواہی سے بولتا صوفیہ پر بیٹھ گیا۔

"کتنے بے حس ہو تو تمہارا باپ مر رہا ہے اور تم یہاں۔۔۔۔۔"

غصے میں وہ اپنی بات بھی مکمل نہیں کر پائے تھے۔ ایبہان نے ایک نظر دائور پر ڈالی۔

"وہ بھی ایسی ہی ایک رات تھی، بس فرق اتنا تھا کہ میں مر رہا تھا اور میرا باپ بے فکر ہو کر اپنی سیاست میں مصروف تھا۔"

اسکا لہجہ۔۔۔۔۔ ڈی حیران تھے۔

اچانک ڈی کافون پھر بج اٹھا۔ سکریں پر بھا بھی کا نمبر جھملا رہا تھا۔ ڈی نے فوراً کال آن کیا اور اسپیکر آن کر دیا۔

لاونج کے سنالے میں ایک آواز ابھری۔

"دائور پلیز کچھ بھی کرو۔۔۔ ایبہان کو مناؤ کہ وہ اپنے باپ سے مل لے۔ وہ کل رات سے بیہوشی میں اسے ہی پکار رہے ہیں، بلکہ تم۔۔۔۔۔ تم ایک کام کرو، میری بات کرو اور ایبہان سے۔۔۔ کہاں ہے وہ اس وقت۔" ڈی مسلسل اسے ہی گھور رہے تھے اور لا پرواہی سے سامنے میز کو گھور رہا تھا۔

"بھا بھی وہ سن رہا ہے آپ بولیں۔" ڈی کے بولنے پر ایبہان نے ایک دم ڈی کو دیکھا پھر وہاں سے جانے کو پر تو لے لگا۔

"ایہاں۔۔!"

وہ ایک دم رکا۔

"میری جان پلیز اپنی ماں کو معاف کر دو۔ انھیں اتنی بڑی سزا مت دو اس جرم کی جو انہوں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔"

کہتے کہتے۔۔ اب وہ سسک پڑی تھیں۔

پھر وہ ایک لمحہ بھی وہاں نہیں رکا اور سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چلا گیا۔
 "ہم جلدی آنے کی کوشش کریں گیں آپ حوصلہ رکھیں بھابھی۔"
 ڈی نے تھکن بھرے انداز میں کہا اور کال کاٹ دی۔

وہ میز کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"برہان بھائی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے انکی حالت بہت سیریس ہے۔"

اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"میری جان پلیز اپنی ماں کو معاف کر دو۔ انھیں اتنی بڑی سزا مت دو اس جرم کی جو انہوں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔"

الفاظ اسکے دماغ میں گھوم رہے تھے۔ لیکن وہ کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ اپنے باپ کے لیے اس وقت کیا محسوس کر رہا تھا۔۔۔ رحم یا نفرت۔۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور جیب سے لفافہ نکالتا سیدھا ہوا۔

لفافہ اس نے سامنے پڑی میز پر رکھا۔ اسکی نظر پاس پڑے ڈریم کیچر پر گئی وہ وہیں کا وہیں دھرا تھا۔

"تمہیں اکیلے رہنا ہے رہو اکیلے۔۔۔ ہمیشہ اکیلے رہو۔۔۔"

کیا وہ واقعی اکیلا رہ گیا تھا۔۔۔ دل میں ایک کسک اٹھی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا تم انسانی شکل میں ایک مانسٹر بنتے جا رہے ہو۔۔۔"

اچانک الفاظ اسکے کانوں سے ٹکرائے۔ ایہان نے فوراً چہرہ اٹھایا۔ اسکے سامنے ایک اور ایہان کھڑا تھا۔۔۔

ہاتھ باندھے ناراضگی بھرا چہرہ لے۔ ایہان نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں۔۔۔ میں مانسٹر نہیں ہو سکتا۔۔۔"

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"جو تمہیں سمجھتی تھیں وہ ذلیل تھیں جو تمہیں سمجھتی ہے وہ لیانا ہے اور تم نے ان دونوں کا ہی دل دکھایا

ہے۔ کیا تم اس سے بھی برے ہو سکتے ہو ایہان پاشا۔"

عکس کے لہجے میں حقارت تھی ایہان اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"میں ایہان پاشا نہیں ہوں۔" وہ چلایا تھا۔

"تم ابی بھی نہیں ہو۔"

عکس کا لہجہ پر سکون تھا۔

"تو تم کچھ بھی نہیں۔۔۔" اور اتنا کہ کر عکس قہقہہ مار کم ہنسنے لگا۔ ایہان کو شدید غصہ آ رہا تھا۔ اس نے پاس پڑی کر سی اٹھائی اور عکس کی طرف پھینک دی۔

عکس تو اس سے پہلے ہی غائب ہو چکا تھا۔

"اپنے ضمیر سے کیسے بھاگ سکتے ہو تم آخر۔"

کوئی چہرہ نہیں تھا صرف آواز تھی۔

ایہان دیوانہ وار اپنے اطراف میں دیکھنے لگا۔

"چپ ہو جاؤ تم۔۔۔ چپ ہو جاؤ۔۔۔ اپنی بکواس بند کرو۔۔۔"

اسکا چہرہ غصے سے لال ہو چکا تھا۔

"ایہان تم ٹھیک ہو۔۔۔ چلا کیوں رہے ہو اتنا۔"

وہ ڈی تھے۔ ایہان نے دروازے کی جانب گھورا۔ پھر کچھ سمجھنا آنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"ایہان۔۔۔ ایہان!"

وہ خاموشی سے دروازے کو تک رہا تھا۔

"میں نے ٹکٹس بک کروالی ہیں کل ہم دونوں کو نکلنا ہے۔"

وہ دوبارہ بولے۔ لیکن دوسری طرف خاموشی برقرار تھی۔ ڈی سمجھتے تھے۔ اور انہیں سب اذیتوں سے بچانے کے لیے وہ پچھلے دس سالوں سے اسے واپس جانے کے لیے منارہے تھے۔ لیکن وہ بھی ضدی تھا۔ پھر ڈی خاموشی سے واپس چلے گئے۔

تقریباً صبح آٹھ بجے کا وقت تھا جب ڈی نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیکن یہ کیا وہ دروازہ ہاتھ لگنے کے ساتھ ہی کھلتا چلا گیا۔ ڈی کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے دروازہ کھوا کر اندر کو جھانکا بیڈ خالی تھا، بلکہ پورا کمرے ہی خالی تھا۔ بیڈ کے ساتھ ایک میرون بریف کیس تیار کھڑا تھا۔

"کیا وہ مان گیا۔!" ڈی کو خوشی کم اور حیرت زیادہ ہوئی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر ایہان کو آواز لگائی مباد کہ وہ باتھ روم میں ناہو لیکن کوئی جواب نا آیا۔ ڈی کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

پورا کمرہ دیکھنے کے بعد وہ نیچے آئے لیکن ایہان پورے گھر میں کہیں نہیں تھا۔

"اب کہاں چلا گیا صبح صبح۔۔۔"

ڈی کو غصہ آنے لگا۔ انہوں سے موبائل اٹھایا اور ایہان کو کال ملانے لگے۔ دوسری طرف فون آف جانے کی اطلاع دی جا رہی تھی۔

"کیا یہ کبھی سدھر سکتا ہے۔۔؟"

ڈی نے فون بند کر دیا۔

عدارا خاتون کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھیں جب وہ کسلمندی سے آنکھیں مسلتی کچن میں داخل ہوئی۔

"اٹھ گئیں۔۔؟" ہمیشہ کی طرح وہ عجلت میں انڈہ فرائی کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"ہوں س۔۔" آواز بمشکل نکلی تھی۔ گلاس میں پانی انڈیلیتی وہ وہیں بیٹھ گئی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔۔"

عدارا خاتون کو تشویش ہوئی۔

"کہا بھی ہے جلدی سویا کرو، صبح کام پر بھی جانا ہوتا ہے۔"

وہ فکر مندی سے بول رہی تھیں۔

"کیا وہ کبھی راتوں کو سو پائے گی اب۔۔۔"

دل میں سوچتے ہوئے ہوئے اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

"جی۔۔۔"

پھر اٹھ کر چنچ کرنے چلی گئی۔

یونیفارم میں ملبوس پی کیپ سر پر لیتی وہ ابھی عمارت سے نکلی ہی تھی کہ اسے سامنے دائر کھڑے دیکھائی دیئے۔ وہ ایک دم مسکرائی

"ارے ڈی آپ۔۔"

لیکن وہ جواباً مسکرا نہیں سکے تھے۔ بعض اوقات آپ کی مسکراہٹ ایسی ہوتی ہے کہ دیکھنے والا اس میں موجود درد دیکھ کر تڑپ جاتا ہے اور ڈی کو بھی اس بات کا اندازہ آج بخوبی ہو چکا تھا۔

"کیا ہم کافی پی سکتے ہیں؟"

ڈی بولے۔

"میں اسٹور کی طرف ہی جا رہی تھی کہیں تو وہیں چلیں۔"

وہ پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ ڈی نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر دونوں اسٹور کی طرف چل دیئے۔

لیانا کافی کے دو گرم کپ لے کر میز تک آئی۔

"بہت شکریہ۔۔۔" ڈی کافی کا کیا کپ پکڑتے ہوئے بولے۔ لیانا سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

دومنٹ گزر چکے تھے لیکن دونوں جانب سے کسی بات کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

اچانک ڈی نے ہنکارا بھرا۔

"در اصل میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں، مطلب میں شرمندہ ہوں یوں لگ رہا ہے جیسے میں تمہیں اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا ہو۔"

لیانا جو ابامسکرائی۔

"لیکن ایسا نہیں ہے میں واقعی دل سے چاہتا تھا کہ ایہاں تمہیں اپنائے۔۔۔۔۔ وہ دل کا برا نہیں ہے۔"

"ہاں بس دماغ تھوڑا کھسکا ہے میں جانتی ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے کپ سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

جواباڈی بمشکل اسکا ساتھ دینے کو مسکرائے۔ وہ نا بھی مسکراتے تو شاید اسے فرق نہ پڑتا۔ کیونکہ وہ اس معاملے میں دوسروں سے امیر تھی۔

"کافی کیسی لگی۔۔؟"

وہ موضوع کا رخ موڑتے ہوئے بولی۔

"پلیز تم اسے معاف کر دو لیانا، اس پر پہلے ہی بہت سی ناراضگیوں کا بوجھ ہے۔ جس کے نیچے وہ ہر پل دبنا جا رہا ہے"

ڈی نے چہرہ جھکائے جھکائے بولا۔ اچھا ہی تھی انھوں نے لیانا کی جانب نہیں دیکھا ورنہ وہ کیا دم سے اٹھ آنے والے ڈھیروں آنسوؤں کو کہاں دھکیلتی۔

لیانا نے کیا گہرا سانس لیا اور آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی۔

ہئے ہے ڈی۔ میں اس سب میں اسکی مدد کرنا چاہتی تھی لیکن میں نہیں کر سکی۔۔۔" سوری تو مجھے بولنا چاہی
آئی ایم ریٹلی سوری ڈی۔"

وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ اسکا ضبط کمال کا تھا۔ ڈی فوراً وہاں سے اٹھ گئے، اگر وہ کچھ دیر اور وہاں بیٹھے تو
شاید رو پڑتے۔

ان کے جانے کے بعد لیانے ایک اداس نظر کافی سے کپ پر ڈالی پھر دونوں کپ اٹھاتی کاؤنٹر کی طرف
چل دی۔

تھکن بھرے وجود کے ساتھ ڈی گھر میں داخل ہوئے۔ گھر میں داخل ہو کر انہوں نے دروازہ بند کیا۔
اچانک انکے کانوں سے کچھ آوازیں ٹکرائیں۔ انہوں نے لاؤنج میں جھانکا، وہاں چلتے ٹی وی کے سامنے
ایہان براجمان تھا۔ ڈی کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"صبح صبح کہاں گئے تھے تم۔۔۔۔۔؟"

ڈی بے تاثر چہرے کے ساتھ بولے۔

"فلائٹ کا ٹائم کیا ہے۔۔؟"

الٹا سوال کیا گیا۔۔۔

آج شام کی سیٹیں ہیں۔" ڈی اب پاس پڑے صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔

ایہان سے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ میز پر رکھا اور وہاں سے چلا گیا۔ ڈی منہ کھولے اسکی پشت کو تکتے رہ گئے۔

رات ہوئی بارش کی وجہ سے صحن کی مٹی سے اٹھتی سوندھی سوندھی خوشبو ابھی بھی برقرار تھی جو صحن میں قدم میں رکھتے ہی اسکے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ اس نے کیا گہرا سانس اپنے اندر اتارا، وہاں صرف ٹھنڈک اور خوشبو نہیں۔۔۔۔۔ وہاں لمحے تھے۔۔۔۔۔ وہاں زمیل تھی۔۔۔۔۔ وہاں ابی تھا۔۔۔۔۔ اور وہ ان سب کو بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔

آسمان پر چھائے بادل بدستور برسنے کی تمنا لیے ادھر ادھر بھٹک رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا بیرونی برآمدے کے لکڑی کے فرش (جو کہ صحن کی زمین سے کچھ اونچا تھا) پر بیٹھ گیا۔ اس نے انگلیوں کی پوروں سے فرش کو چھوا۔۔۔۔۔ وہ آج بھی ویسا ہی ٹھنڈا تھا۔ وہ مسکرایا۔

اور پھر برآمدے کے ایک طرف پڑی گیلی چھتری۔۔۔ اسکی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

صبح اسٹور کا رستہ طے کرتے ہوئے ڈی نے اسے بتایا تھا کہ وہ اور ایہان پاکستان جا رہے ہیں۔

"وہ مان کیسے گیا۔۔؟" وہ حیران تھی۔

"پر مجھے خوشی ہے کہ واپس جا رہے ہو۔۔" وہ دل میں سوچتے ہوئے مسکرائی۔

"اب تم خود سے بھی جھوٹ بولنے لگی ہو۔۔؟"

وہ استہزائیہ مسکرائی پھر سامنے کھڑے گاہک کی جانب متوجہ ہوئی۔ سوچوں کی رو مسلسل بھٹک رہی تھی۔ نگاہیں گھوم پھر کر واپس سڑک کے پار بنے گھر کی کھڑکی پہ پڑے پردے سے ٹکرا رہی تھیں۔

گاہک اپنا مطلوبہ سامان لے کر جا چکا تھا۔ لیانا نے آنکھیں بھیچ کر ایک گھر اسانس لیا اور پھر اپنے سر پر ایک چپت رسید کی

"واپس آ جاؤ لیانا شاہ۔۔۔ تمہارے پلس آلریڈی سب کچھ ہے۔۔۔ تمہیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

پھر وہ مسکرائی اور آنکھیں کھول دیں۔ سامنے دو تین گاہک اسک توجہ کے منتظر کھڑے تھے جنہیں وہ مسکراتے ہوئے ڈیل کرنے لگی، یہ سوچتے ہوئے کہ دماغ سے سب نکل چکا تھا۔۔۔ لیکن افسوس اسکی غلط فہمی۔

گاہک جا چکے تھے اور اب پھر کاؤنٹر پر اکیلے بیٹھے وہ سامنے کھڑکی پر پڑے پردے کو گھور رہی تھی۔

فلائٹ میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ وہ خاموشی سے اپنا بریف کیس ایک ہاتھ میں پکڑے، دوسرا ہاتھ ڈریس پینٹ کی جیب میں ڈالے بلا کے سکون سے سامنے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ براؤن پینٹ پر سفید شرٹ، جن پر بال ہمیشہ کی طرح ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اور ان سیاہ گلاسز میں چھپی آنکھوں میں کیا تھا وہ۔۔۔ وہ یا اسکا خدا ہی جانتا تھا۔

ڈی مسلسل ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہے تھے، جیسے کسی کو تلاش کر رہے ہوں پھر ایک نگاہ انھوں نے ایہان پر بھی ڈالی۔

"ہیئے کیا تمہیں کسی سے ملنا نہیں تھا ایہان۔۔۔؟"

"برہان پاشا سے ملنے جا رہا ہوں ڈی۔۔۔۔۔ اس سے زیادہ کی کیا امید ہے آپکو۔۔"

"بات گھمانا تو کوئی اس سے سیکھے۔" ڈی دل ہی دل میں بڑبڑائے تھے۔

ڈی کی نظریں واپس ادھر ادھر بھٹکنے لگیں، شاید وہ ان سے ملنے آہی جائے پر اسے نہیں آتا تھا سونا آئی۔ فلائٹ کی آمد کی اطلاع دی جا رہی تھی۔ جس پر ایہان بریف کیس گھسیٹتا چل پڑا۔ اناؤنسمنٹ پر ڈی کو بھی ہوش آیا اور وہ بیگ اٹھاتے ایہان کے پیچھے چل دیئے۔

"کاش وہ آجاتی۔۔" دل میں کسک باقی رہ گئی تھی۔

ایئرپورٹ کی راہداری میں چلتے ہوئے اب وہ نظروں سے اوجھل ہونے لگے تھے۔

اچانک اسے کسی کی دھکالگا تھا۔ وہ راہداری میں بنے پلر سے کچھ باہر کو کھسکی۔ اس نے الجھن میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ دھکا دینے والا بھیڑ میں کہیں غائب ہو چکا تھا۔ اس نے آخری بار الوداعی ہاتھ ہلایا۔ اب کی بار وہ اسکی نگاہوں سے مکمل اوجھل ہو چکے تھے۔

"سوری ڈی مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کے میں آپ لوگوں کے سامنے آسکوں۔"

اس نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر ہاتھ میں پکڑی پی کیپ سر پر لیتی واپس مڑ گئی۔ کمر پر جھولتی چٹیا کے ساتھ تقریباً وہ بھاگتے ہوئے باہر کی طرف چل دی۔

دماغ میں سوچوں کی ایک ناختم ہونے والی جنگ برپا تھی۔ جو اسے کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے سے قاصر کیے ہوئے تھیں۔ انگلینڈ سے پاکستان تک کا سفر کیسے کٹا اسے کچھ معلوم نہ تھا۔

فلائٹ لینڈنگ کی اناؤنسمنٹ جاری تھی۔

"ہر انسان کی زندگی میں کچھ تلخ حقیقتیں ہوتی ہیں اور انہیں میں سے ایک حقیقت ہے کہ مجھے کینسر ہے۔"

الفاظ اسے ازبر تھے۔ جہاز لینڈ ہو رہا تھا۔

"ابی میرے کچنار اور اسی پر یوں کو زیادہ انتظار مت کروانا۔"

لیکن انتظار کا عرصہ کافی لمبا ہو چکا تھا۔

جہاز لینڈ ہو چکا تھا۔ مسافروں کو اپنا سامان اٹھانے اور نکلنے کی ہدایات دی جا رہی تھیں۔

ڈی جو کہ ابھی ابھی سو کر اٹھے تھے ابیہان کو جھنجوڑتے ہوئے بولے۔

"چلو بھی یہیں رہنے کا ارادہ ہے کیا۔" جس پر ابیہان نے کیا عجیب نگاہ سے ڈی کو دیکھا جیسے کہ رہا ہو۔ ڈی

آپ سے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔

ڈی نے فوراً نظریں پھریں اور وہاں سے اٹھنے لگے۔

"میں نہیں چاہتی پریاں ناراض ہو کر چلی جائیں اور پھر کبھی نا آئیں۔"

ایہان کھڑا ہو چکا تھا۔

کچھ دیر میں وہ اور ڈی ایئر پورٹ سے نکلنے کو پر تول رہے تھے۔ ڈرائیور ابھی تک نہیں آیا تھا۔

"وہ بے حس تھا۔۔۔۔۔ بے وفاتھے۔۔۔۔۔ وعدہ خلاف تھا۔۔۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر وہ برہان

پاشا کی اولاد ایہان پاشا تھا۔"

ایہان کے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

ڈرائیور آچکا تھا۔ اس نے گاڑی سے اتر کر فوراً دونوں کو سلام کہا پھر حیرت سے ایہان کو دیکھا، اتنے

عرصے میں وہ کافی بدل چکا تھا۔ ایہان جو ابالس خاموش رہا۔

"برہان بھائی کیسے ہیں۔۔؟" ڈی سے فوراً پوچھا۔

"جی صاحب۔۔۔۔۔ بڑے صاحب کی حالت بہت نازک ہے۔ ابھی ہسپتال سے ہی آ رہا ہوں انکا سامان پہنچا کر۔"

ڈرائیور نے جلدی جلدی ساری تفصیل بتائی۔

"چلو پھر جلدی کرو سیدھے ہسپتال ہی چلو۔" ڈی نے کہا اور دروازہ کھولنے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ایہان

پہلے ہی بیٹھ چکا تھا۔ گاڑی چلنے کے بعد ڈی ایہان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بھائی کی حالت نازک ہے اب جاتے ہی کچھ اوٹ پٹانگ نابک دینا۔"

ڈی اسکی عادتوں سے واقف تھے اسی لیے اسے سمجھا رہے تھے۔ وہ خاموشی سے کھڑکی کے پار سڑک کے اطراف میں لگے چیری بلاسم کے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ بہار اپنے جو بن رہی تھی۔ اور اسکا سکر دو ہمیشہ کی طرح کھلا ہوا تھا۔

اب وہ کیا بتاؤ گی کہ وہ تو شاید کچھ بول ہی نہیں پائے گا۔ ڈیڈھ گھنٹے کی مسافت کے بعد گاڑی ہسپتال کے سامنے رکی۔

اور اب وہ دونوں ڈرائیور کی سربراہی میں برہان پاشا کے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔

"جی اس کمرے میں صاحب جی۔۔۔۔"

ڈرائیور آئی سی یو کے سامنے رک کر بولا۔

دروازے میں لگے شیشوں سے نالیوں میں جکڑے برہان پاشا کو وہ دونوں واضح طور پر دیکھ سکتے تھے۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ ہمارا سامان گھر رکھ آؤ۔ ہم دونوں یہیں ہیں۔" ڈی نے ڈرائیور کو ہدایت دی اور خود پاس راہداری میں پڑی کرسیوں میں بیٹھ گئے۔

اچانک ایک ڈاکٹر آئی سی یو سے باہر آئے۔

"ایکسوزمی۔۔۔۔ آپ دونوں میں سے ایہان کون ہے۔۔۔۔ پیشنٹ ان سے ملنا چاہتے ہیں۔" ڈی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔

"جی یہ ہے ایہان انکا بیٹا۔" انھوں نے پاس دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ایہان کی جانب اشارہ کیا۔

"آپ ان سے مل لیجئے پلیز۔" ڈاکٹر نے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

ڈی نے ایک ہاتھی نگاہ سے ایہان کو دیکھا۔ جس پر وہ خاموشی سے آئی سی ویو کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔
ڈی دل ہی دل میں شکریہ ادا کرتے واپس بیٹھ گئے۔

"ایہان۔" آواز نقاہت بھری تھی۔

وہ سن سکتا تھا۔ بیڈ کے قریب کھڑا وہ ان سالوں میں اپنے باپ کے چہرے پر آئے بدلاؤ کو دیکھ رہا تھا۔

"ایہان بیٹا۔۔" آواز پھر ابھری تھی۔ لیکن وہ کچھ کہہ ناسکا بلکہ وہ کچھ کہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

وہاں برہان پاشا کی آنکھ سے ایک آنسو لڑکھا تھا۔

"مجھے معاف کر دو میری جان۔۔۔۔۔" الفاظ بمشکل ادا ہو رہے تھے۔

"میرے لیے موت آسان کر دو۔ خدا کا واسطہ ہے۔" کرب صرف ان کے الفاظ سے ہی نہیں انکے

پورے وجود سے ٹپک رہا تھا۔

لہجہ ہچکیوں کی زد میں آ رہا تھا۔ کمرے میں موجود نرس فوراً ڈاکٹر کو بلانے بھاگی۔

"پلیز مجھے معاف کر دو ایہان۔۔۔۔"

اسکی اندرونی کیفیات اسکی برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھیں۔ اندر کوئی پھٹنے کو بے تاب تھا۔ اچانک ڈاکٹر
کمرے میں داخل ہوئے۔

ایہاں نے موقع غنیمت جانا اور فوراً کمرے سے نکل گیا۔ پھر رکا نہیں راہداری عبور کرتا باہر کی جانب چل دیا اور ڈی بس اسے آوازیں لگاتے ہی رہ گئے۔ برہان پاشا کی حالت کی وجہ سے وہ اسکے پیچھے بھی نہیں جاسکتے تھے۔

لیانا ناشتہ تیار ہے۔ جلدی آ جاؤ تمہارے باپ کے اٹھنے سے پہلے کھالو۔ "عدارا خاتون اسے بستر پر لیٹا دیکھ کر بولیں۔

"ہم م م۔۔۔۔۔" جواب مختصر تھا۔

وہ پہلی آواز پر ہی جاگ گئی۔ عدارا خاتون کو حیرت تھی۔ پھر وہ کچھ سوچتی باہر چلی گئیں۔

لیانا نے خود پر سے چادر ہٹائی اور آنکھیں مسلتی کسمندی سے اٹھ گئی۔ آنکھیں نیند سے بھری تھیں لیکن ناجانے کیوں وہ پوری رات ہی سو نہیں پائی تھی۔ سیلپر زائستی وہ باتھ روم کی طرف چل دی۔ برش کرنے اور ہاتھ منہ دھونے کے بعد اس نے ٹل بند کرنے کو گھمایا۔ لیکن پانی مسلسل بہہ رہا تھا۔ اس سب میں کچھ بھی نیا نہیں تھا لیکن اسے آج کوفت ہو رہی تھی۔ اس نے زور لگا کر نکلا بند کرنا چاہا پر وہ پانی اور تیزی سے بہنے لگا۔

"آہہ۔۔۔۔۔" وہ چلائی۔ پھر اچانک غصے سے بھری آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

"ایک۔۔۔۔۔ دو۔۔۔۔۔ تین۔۔۔" آنسو گرتے جا رہے تھے۔ کوفت کچھ اور بڑھ گئی۔

"کیا مصیبت ہے۔" اس نے نہایت بے دردی سے اپنے گال رگڑے پھر کافی زرو آزمائی کے بعد وہ ٹل بند کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

سامنے شیشے میں نگاہ ڈالی۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ اس نے آنکھیں ایک دو بار جھپکائیں پھر جھنجھلاتے ہوئے کپڑے بدلنے چل دی۔

تیار ہو کر وہ سیدھی لاؤنچ سے گزرتی گیٹ پر پہنچ چکی تھی۔

"ارے لیانا ناشتہ تو کر لو۔" عدا را خاتون اسے جاتا دیکھ کر بولیں۔

"ارے۔۔۔۔۔ ارے۔۔۔" لیکن وہ جا چکی تھی۔

ہیے لیانا۔۔۔ "وہ ایلس تھی ہمیشہ کی طرح لیکن لیانا خاموش تھی۔

"ہیے لیانا گم ہو یا۔۔۔۔۔" ایلس اسے خاموشی سے شیشے کی سطح پر انگلیاں پھیرنے دیکھ کر بولی۔

"لیانا۔۔۔۔۔" وہ اب کچھ اونچی آواز میں گویا ہوئی۔

"ہاں۔۔۔۔۔" ہاں کیا ہوا۔۔۔ "لیانا اچانک گھبرا گئی۔

"کہاں گم ہو یا ر کب سے بلا رہی ہوں کافی ٹائم ہو گیا ہے۔" ایلس نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"آں ہاں کچھ نہیں تم چلو میں آتی ہوں۔" وہ اچانک کمپیوٹر پر کچھ دیکھنے لگی۔

ایلس نے کندھے اچکائے اور میز کی طرف بڑھ گئی۔

"میں چلی۔۔۔"

وہ آواز_____

لیانانے فوراً سر اٹھایا۔

"ایہہان۔۔۔" اسکی آواز اندر ہی کہیں دب رہی تھی۔

تم۔۔۔۔۔ تم یہاں۔۔۔" الفاظ بھی ادا نہیں ہو پارہے تھے۔

وہ بس جواباً مسکرا رہا تھا۔

"ہیے لیانا۔۔۔" اچانک ایلیس کی آواز نے اس کے اطراف میں چھایا طلسم توڑ دیا۔

"آبھئی جاؤ یا راب۔" وہ اب ناراضگی سے بول رہی تھی لیکن لیانا وہ ابھی تک حیرت سے اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ لیکن لیانا وہ ابھی تک حیرت سے اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا وہ۔۔۔۔۔ ایہہان۔۔۔!"

وہ سوچتی اب ایلس کے برابر میں آکر بیٹھ چکی تھی۔

"یار آج تم اتنی بچھی بچھی سی کیوں ہو میں صبح سے دیکھ رہی ہوں۔۔"

ایلس کوفت سے بول رہی تھی۔ لیانا خاموشی سے گھونٹ گھونٹ کافی پیتی شیشے کے پار دیکھ رہی تھی۔

"ہم م م۔ ایک کام کرو تم آج چھٹی کر لو۔ تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے۔"

وہ اب فکر مندی سے بول رہی تھی۔

لیانانے ایک اداس مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔

"بہت شکریہ ایلس کے تم مجھے سمجھتی ہو۔۔" پھر کافی کاکپ وہیں میز پر رکھ کر اٹھ گئی۔

چھٹی لے کر وہ گھر جانے کی بجائے خالی پلاٹ کی طرف چل دی۔ پلاٹ پر بیچ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا پھر باڑ پھلانگی اندر آگئی۔۔ بیچ کے قریب آئی اور دھڑاپ سے بیچ بیٹھ گئی۔

"اسے کچھ اچھائیوں نہیں لگ رہا تھا۔"

وہ سوچ سوچ کر الجھن کا شکار ہوئے جا رہی تھی۔ صبح ہی سے طبعیت عجیب ہو رہی تھی۔ اس نے سر بیچ کی پشت سے ٹکادیا اور آنکھیں موندھ لیں۔

لیکن اگلے ہی پل۔۔۔۔

چھپاک سے اس نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے ایلم ٹری کی کیا ٹہنی سے وہ ڈریم کیچر لٹک رہا تھا۔

وہ فوراً اٹھی اور جھپٹ کر اسے شاخ سے اتار لیا۔

"کیا وہ اسے یہیں بھول گیا۔۔؟" وہ حیران تھی اور پریشان بھی۔ پھر اسکے ہاتھ میں وہ پرچی آگئی جو اس ڈریم کیچر سے بندھی تھی۔ اس نے تعجب سے پرچی کھولی۔

"تم اسے واپس مانا گئی، شاید تب بھی میں تمہیں یہ لوٹا دیتا جیسی۔۔ یہ بہت قیمتی ہے اور میں اسکے ہر گز قابل نہیں۔۔۔"

دوسرے الفاظ میں وہ اس سے سارے حساب چکتا کر گیا تھا۔

"کیا اس نے میری باتیں سنی تھیں۔۔۔ آںںں۔۔ نہیں۔۔ یہ کیا کر دیا میں نے۔۔۔"

وہ کہتی بیچ پر بیٹھتی چلی گئی۔

صبح کا اٹکا غبار اٹھ چکا تھا۔ اس نے ٹانگیں بیچ پر رکھ کر سر گھٹنوں میں دے دیا اور زار و قطار رونے لگی۔

اور ڈریم کیچر۔۔ وہ پاس ہی بیچ پر پڑا اس عجیب دنیا کے عجیب سے لوگوں کی عجیب داستانوں پر الجھا ہوا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر یونہی کار تول کی سیاہ سڑک پر پھرتا رہا اسے خود معلوم نہ تھا۔ اطراف میں پھولوں سے لدے چیری بلاسم کے درخت اور آسمان پر چھائے سرمئی بادل سب ویسا ہی تھا۔ سوائے اسکے۔ اب شام ہونے کو تھی۔ اندھیرا اترنے سے پہلے اس نے اپنے قدم گھر کی جانب بڑھا دیے۔ وہی گھر جس میں واپس نا آنے کی قسم کھا کر گیا تھا۔

پر افسوس! جہاں آج تک کوئی وعدہ نہ نبھاسکا تھا وہاں یہ بھی سہی۔

شکست خوردہ قدموں کے ساتھ وہ مین گیٹ سے انٹر ہوا۔ لان کے درمیان میں راہداری سنسان پڑی تھی۔ چوکیدار بھی ناجانے کدھر تھا۔ اور سامنے کھڑی وہ حویلی۔ اس نے رک کر پورے گھر کا بغور جائزہ لیا پھر ایک استہزیائے مسکراہٹ اسکے لبوں پر ابھری۔

وہ سر جھٹکتا اندر کی طرف چل دیا۔ پورا لاؤنج فانوس کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔

وہ قدم قدم چلتا بغیر آس پاس دیکھے سیڑھیاں چڑھنے والا تھا جب۔

"ایہان" آواز اسکے قدم جکڑنے کو کافی تھی۔

"ماما کی جان" وہ جو ناجانے کب سے اسکے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھی تھیں اٹھ کر اسکی طرف آئیں۔

"تم۔۔۔ تم بالکل نہیں بدلے ایہان۔ آج بھی تمہارا حلیہ۔۔۔ لگتا ہی نہیں کہ تم برہان پاشا کی اولاد

ہو۔" جملہ ہمیشہ والا تھا لیکن لہجہ۔۔۔ لہجہ ٹوٹا ہوا تھا اور شکست خوردہ تھا۔

وہ بولتے بولتے بالکل اسکے برابر آچکی تھیں۔ وہ اسے ک پاس ٹہر کر مسکرائیں۔ انکی آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔

"ایہان۔۔۔!"

"پندرہ سال۔۔۔ پورے پندرہ سال گزر گئے۔" وہ اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بول رہی تھیں۔

"اور ان پندرہ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا ہے۔ پلیز ایہان تم بھی اب بدل جاؤ۔۔۔ پلیز یہ ناراضگی اب ختم کر دو۔۔۔ تمہارا باپ تمہیں دیکھنے کو ترس رہا ہے۔ خدا را ہم پر رحم کرو۔" وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

وہ ساکت تھا۔ پندرہ سال۔۔۔ اسکے لیے بھی تنے ہی طویل تھے۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
 "ہار تو گیا ہوں مام۔۔۔ ان سب کو جنہیں جیت سکتا تھا۔۔۔ وہ سب گنوا دیا جو میرا مقدر تھا۔۔۔ اب
 اس سے زیادہ اور کیا کروں میں اس دنیا کے لیے۔"

وہ کیا جواب دیتیں اسے ک الفاظ ہی ایسے لاجواب کر دینے والے تھے۔
 "سب ٹھیک ہو جائے گا تمہارے ڈیڈ ٹھیک ہو جائیں گے اور پھر ہم ایک خوش و خرم زندگی گزاریں
 گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بول رہی تھیں۔

ایہاں نے ایک نظر ان پر ڈالی۔ پھر ایک لمحے کی دیر کئے بغیر سیڑھیاں چڑھ گیا
 ماناسب بھلا دینا ناممکن نہیں۔ لیکن اتنا آسان بھی نہیں۔
 مسز برہان بس اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

کمرے میں آکر اس نے دھاڑ سے دروازہ بند کیا۔ وہی کمرہ جس میں ابی رہا کرتا تھا۔ وہ سیدھا کمرے میں بنی
 کھڑکی کی طرف گیا۔ کھڑکی کے پار اندھیرے میں ڈوبالان صاف دیکھائی دے رہا تھا۔ وہ بیڈ پر جا کر بیٹھ
 گیا۔

"ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔۔۔ اب کی بار کتاب کھول دینی چاہئے۔۔۔ وہیں جہاں پندرہ سال پہلے بند کی
 تھی۔" وہ کہتا ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکائے بیڈ پر دراز ہو گیا۔

"زیمیل۔۔۔۔" وہ زیر لب گویا ہوا۔

باہر ایک دم کوندتی بجلی سب پل بھر کو روشن کر دیا۔

"صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہیں گے نا۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے چھت کو گھور رہا تھا۔

"پریاں آج بھی کچنار پر اترتی ہو گئی نا؟۔۔۔ وہ منتظر ہو گئی۔۔۔ وہ انتظار میں ہو گئی کہ کوئی انہیں کہانی

سنائے۔۔۔۔" کہتے کہتے وہ کروٹ کے بل لیٹ گیا اور پاس پڑا تکیہ سینے میں بیچ لیا۔

"ان پندرہ سالوں میں بہت کچھ جمع ہو چکا ہے انھیں سنانے کو زیمیل۔۔۔ بہت کچھ۔۔۔"

تھکن بھری آنکھیں اب نیند میں ڈوب رہی تھیں۔ باہر آسمان پر چھائے بادل قطرہ قطرہ پگھلنے لگے تھے بالکل اس کے دل کی طرح۔

صبح اسکی آنکھ کھلی تو ابھی ٹھیک سے دن نہیں نکلا تھا۔ نا جانے اسکی آنکھ اتنی جلدی کیسی کھل گئی۔ اٹھتے ہوئے اس نے غور کیا کہ جیسے اڑا تر چھا وہ بیڈ پر لیٹا تھا ابھی بھی ویسے ہی لیٹا ہوا تھا۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ کھڑا ہوا اور کمرے کی کھڑکی کی طرف گیا۔

صبح کے آثار نمودار ہونے شروع ہو چکے تھے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لان ہی سامنے سڑک پر آگے پیچھے تین گاڑیاں داخل ہوئیں اس کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔ اگلی اور پچھلی گاڑیوں میں سے گارڈز اترے

اور درمیان والی گاڑی سے ڈرائیور کے علاوہ دو سپوت باہر نکلے۔ ایک تو برہان پاشا تھے اور دوسرے اسکی اپنی ہی عمر کا ایک نوجوان تھا جو کہ فارمل ڈریس میں ملبوس تھا اور اب وہ برہان پاشا کو وہیل چیئر پر بیٹھا رہا تھا۔ ایہان نے اسکی شکل پر غور کرنا چاہا۔۔۔ وہ شکل۔۔۔ وہ انجان تھی۔ لیکن۔۔۔ کون تھا وہ اسے تجسس ہوا۔ اب وہ نوجوان برہان پاشا کی وہیل چیئر گھسیٹتا اندر کی طرف چل دیا۔

اب وہ دونوں ایہان کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

ایہان کھڑکی کا پردہ برابر کرتا اب واش روم کی طرف چل دیا۔ پندر منٹ کے بعد وہ کمرے سے باہر آیا۔ اسکا کسی کا سامنا کرنا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مصروف سے انداز میں موبائل پر انگلیاں چلاتا وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا لاؤنج پارکر رہا تھا جب۔۔۔۔۔

"ارے ایہان۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔" وہ رک گیا۔

آواز انجان تھی۔ آواز دینے والا اب اپنی جگہ سے کھڑا ہو چکا تھا۔

"اسلام وعلیکم! میں ارسلان والی۔۔۔۔۔" لہجہ اور الفاظ کچھ مختلف تھے۔ عام لوگوں سے تھوڑا الگ۔ ایہان مڑا۔

"ارسلان والی۔۔۔۔۔" دماغ میں اس نام کے ساتھ ہی ایک واقعہ ابھرا پھر ایک تجسس۔ ایہان نے سرتا پیر اسکا جائزہ لیا۔ وہ کھڑے کھڑے بار بار اپنے کندھوں کو جھٹک رہا تھا۔ پاس ہی مسز برہان بر اجمان تھیں۔

"ارے ایہان آؤ یہ ارسلان ہے۔ خلیل والی کا بیٹا۔"

اور ایہان جان چکا تھا کہ وہ وہی ارسلان والی ہے

"جی۔۔۔" ارسلان نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ایہان ابھی تک مجسمہ سوال بنا کھڑا تھا۔ مسز برہان نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ سامنے میز پر رکھا اور بولیں۔

"تم تو تھے نہیں تو تمہارے باپ کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے ارسلان نے ہماری بہت مدد کی۔ ہسپتال اور برہان کے سارے معاملات یہی دیکھ رہے ہیں۔ آج تم سے ملانے کے لیے روک لیا ہے میں نے۔ ورنہ اسے آفس جانا تھا۔"

مسز برہان کی بات ختم ہونے کے بعد ارسلان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا ہم باہر بات کر سکتے ہیں؟" ایہان نے بے تاثر چہرے کے ساتھ کہا۔

"ضرور۔۔۔۔" ارسلان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوکے آئی میں چلتا ہوں آپ برہان سر کو دیکھ لیجئے گا۔" پھر وہ کہتا ایہان کے پیچھے لاؤنج سے نکل گیا۔

ایہان کافی دیر سے بغیر کچھ کہے گلابی پھولوں کے درمیاں بچھی سیاہ سڑک پر چلتا جا رہا تھا۔ ارسلان اطراف کا جائزہ لیتا مسلسل مسکرا رہا تھا۔ پھر ایک طرف سڑک کی ایک طرف دو درختوں کے درمیان بنے بیچ پر ایہان جا کر بیٹھ گیا۔ سڑک سے اتر کر مکمل جگہ درخت سے گرے پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ارسلان بھی خاموشی سے ایہان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"کیا کرتے ہو آج کل۔" ایہان نے بات کا آغاز کیا۔

"جی۔۔۔ میں۔۔۔ جی میں ایکچو پلی ڈیڈ کی فیکٹری سنبھالتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

آخری بار جب ایہان نے اسے دیکھا تھا تو وہ ایک ایب نارمل بچہ تھا۔ لیکن آج وہ کافی حد تک نارمل ہے۔ پر پھر بھی وہ کچھ وقفے بعد کندھوں کو جھٹکا دیتا تھا اور ہاتھوں کو مسلسل حرکت دے رہا تھا۔

"جانتا ہوں کہ آپ حیران ہیں نا۔" اچانک وہ بولا۔

ایہان کو اسک جانب سے سوال کی توقع نہیں تھی۔

"ڈیڈ تو مجھے بچپن سے ہی کچھ خاص پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ میں ان بچوں سے نہیں تھا جن پر انکے ماں باپ فخر کر سکیں۔" وہ سامنے سڑک پر دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔

"لیکن انہوں نے مجھے عام بچوں کی طرح بنانے کی بہت کوشش کیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میں آج اس دنیا کے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"ہم م م م۔۔۔۔۔" ایہان نے بس اتنا ہی کہا۔

"میں آپکی بہت عزت کرتا ہوں اور برہان سر کی بھی۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔"

اور ارسلان کی اس بات پر ایہان نے ایک جھٹکے سے ارسلان کی جانب دیکھا۔

"برہان پاشا کی عزت۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ایہان نے طنز کیا۔

ارسلان نے جواباً کندھے اچکائے۔

"سب جانتے ہوئے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا تھا بچپن میں۔"

"وہ تو میرا ماضی تھا گزر گیا۔" اور پھر ارسلان نے مسکراتے ہوئے اتنا کہہ کر ایہان کے سارے تجسس پر پانی پھیر دیا۔

"اور پھر آپ تو یہاں تھے نہیں تو میں یہ سب کر کے آپکے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا تھا۔" ایہان جانتا تھا کہ وہ کس احسان کی بات کر رہا ہے۔

"میں جانتا ہوں ارسلان کدھر ہے۔" تکلیف کی انتہا تھی جب وہ چلاتے ہوئے بولا۔

وہ اپنے باپ سے غداری کر رہا تھا لیکن پچھلے دو دن سے ملنے والی اذیت نے اسکی سوچ بدل دی تھی۔

"کہاں۔۔۔ کہاں ہے وہ۔۔" خلیل والی کا سیٹری ایہان کا جبرٹا پکڑتے ہوئے بولا تھا۔ اور پھر ایہان کے بتانے پر اس نے ایک جھٹکے سے ایہان کے جبرٹے کر چھوڑا اور ایہان فرش پر گر تا چلا گیا۔

"آپ نے واقعی مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔"

ارسلان کی بات پر ایہان حال میں واپس آیا۔

"لیکن تمہارے باپ نے پھر بھی مجھ پر رحم نہیں کیا۔" ایہان نے سر دلہجے میں کہا۔

ارسلان مسکرایا۔

"انسانوں کے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہوتا۔ رحم کرنے والی ذات تو وہ ہے۔" ارسلان نے انگلی نے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے پتا تھا کہ وہ آپ پر رحم ضرور کرے گا۔"

ایہان نے عجیب نگاہوں سے ارسلان کو دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں کتنا یقین تھا۔۔۔ بالکل۔۔۔ بالکل زمیل کی طرح۔

ایہان فوراً کھڑا ہو گیا۔ اس پر رحم کیا گیا تھا تبھی تو وہ یہاں کھڑا تھا۔ اسکے جسم نے ایک جھر جھری لی۔ ارسلان بھی کھڑا ہو گیا۔

"آپکو نہیں لگتا رحم اور سزا کے سارے معاملات اس ذات پر چھوڑتے ہوئے آپ کو برہان سر کو معاف کر دینا چاہیے۔" وہ مسکراتا ہوئے بول رہا تھا۔

"اب میں چلتا ہوں آفس سے لیٹ ہو رہی ہے۔" پھر کہتا ارسلان وہاں سے چلا گیا۔

ایہان دو قدم پیچھے ہٹا واپس بیچ پر بیٹھ گیا۔

"آپکو نہیں لگتا رحم اور سزا کے سارے معاملات اس ذات پر چھوڑتے ہوئے آپ کو برہان سر کو معاف کر دینا چاہیے۔"

بظاہر سب اتنا ہی آسان تھا جتنا دکھ رہا تھا لیکن اصل مشکل تو ان احساسات کو برداشت کرنا تھا جو ایک جھکڑ کی صورت میں اسکے دماغ میں مسلسل چل رہے تھے۔

"نار سائی۔۔۔ مایوسی۔۔۔ ہار۔۔۔" کیا نہیں تھا۔

"اور قرض۔۔۔۔۔۔ اسکا بھار تو اپنی جگہ الگ تھا۔
